جناح۔ماؤنٹ بیٹن تنازعہ:

پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی تقرری کے تنازعہ کا ایک تجزیاتی مطالعہ

پروفیسر ڈاکٹر سید آصف علی رضوی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے محرک بھی مسلمان تھے اوراس میں حصہ لینے والے سپاہیوں نبرد آزماؤں، منتظموں اور سالاروں کی بہت بڑی اکثریت کا تعلق بھی مسلم قوم سے تھا[1]۔ اگرچہ وقتی طور پر مسلمانوں اور انگریزوں کا باہمی مفاد وہی تھا جو عظیم رہنما سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) نے سمجھا[2] لیکن یہ بھی بڑی حقیقت ہے کہ نہ تو مسلمان دل سے برطانوی راج کے خیر خواہ بن سکے اور نہ ہی انگریز مسلمانوں کے ساتھ ذہنی وابستگی پیدا کر سکے البتہ وہ اس نتیجے پر ضرور پہنچ گئے کہ خواب غفلت سے نکلنے کے بعد مسلمانوں کو کسی بھی صورت فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ماہرانہ سیاست سے، وفود اور گول میز کانفرنس کے سہاروں سے کمیشن اور اصلاحات کے ذریعے وقت تو حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن حقیقت تو یہی ہوگی کہ بہرصورت ان کے ناگزیر مطالبات کو ماننا ہی پڑیگا۔

درج بالا پالیسی ریڈکلف ایوارڈ[3] کے غیر منصفانہ فیصلے میں مل جاتی ہے۔ جس کے ذریعے مسلمانوں کے تمام جائز مفادات ہندوؤں کو خوش کرنے اور پاکستان کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کے دوگونہ مقصد کے تحت قربان کردیئے گئے جو نہریں پاکستان کو سیراب کرتی تھیں ان کی سرآبگاہیں ہندوؤں کو مل گئیں۔

ایک بہتر اور منظم تقسیم کے لئے مسلمانوں کے دلائل نظر انداز کردیئے گئے، جان بوجھ کر نفاذ میں عجلت کی گئی، نوزائیدہ مملکت پاکستان کو اتنا وقت بھی نہیں دیا گیا کہ وہ تنظیم کا ڈھانچہ ہی کھڑا کر لیتی[4] پاکستان کو جو غیر منقولہ اثاثے تفویض کیئے گئے تھے، ہندوستان نے ان میں سے کوئی اثاثہ منتقل نہیں کیا، روزانہ کام میں آنے والی نقد بقایا جات بھی بعد میں گاندھی کی مداخلت سے منتقل ہوئیں۔ فارمولے کے تحت دو بڑے صوبے پنجاب اور بنگال کی تقسیم نے بدترین

سیاسی اور مذہبی مسائل کو جنم دیا، جبکہ صوبہ سرحد ایک کانگریسی وزارت کے ہاتھ [۵] میں تھا، قلات ہندوستان سے ساز باز کر رہا تھا اور حقیقی معنوں میں کوئی مرکزی حکومت موجود نہیں تھی۔ اس پس منظر میں ہندوؤں کو بڑی امیدیں تھیں کہ پاکستان باقی نہیں رہے گا اور مسلمان دوبارہ اتحاد کی تمنا کرتے ہوئے متحدہ ہندوستان کا مطالبہ کریں گے [۶]۔ یہ امید اس بناء پر تھی کہ پاکستان کے وجود کو ختم کرنے کے لئے جو کچھ بھی کیا جاسکتا تھا وہ کیا جاچکا تھا اس کی سرحدوں میں کانٹ چھانٹ سے لے کر اس کے نظام آب پاشی میں خلل ڈالنے تک۔ ناگزیر اثاثوں سے محروم کرنے سے لے کر خوفناک قتل و غارتگری تک مسلط کر دی گئی تھی، صرف انسانی و مالیاتی ذرائع کی تہی دامنی کا مسئلہ ہی دامن گیر نہ تھا، بلکہ اس کو فیصلوں تک پہنچنے کے لئے اپنے حساس ترین وفاق کو بھی مطمئن کرنا تھا۔ یہ نا مساعد حالات اور دشوار گزار مرحلے صرف پاکستان کے لئے تھے کیونکہ انڈین یونین کی دہلی گورنمنٹ اپنے مکمل ڈھانچے اور تمام لوازمات کے ساتھ پوری قوت و استعداد کے ساتھ موجود تھی، وہاں تجربہ کار آئی۔ سی۔ ایس افسران کی پوری ٹیم تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ موجود تھی جو ہندوستان کے جغرافیائی حالات سے بھی مانوس تھے، اور ہندوستانیوں کے مزاج سے بھی آگاہ تھے، نیز برطانوی ہندوستان کے باہر جو سفارتی و تجارتی مشن قائم تھے، وہ ہندوستان کی ملکیت قرار دیئے گئے، دفاعی ڈھانچہ ہر قسم کی شکست و ریخت سے محفوظ تھا، بری، بحری اور فضائی دفاتر دہلی میں موجود تھے، اسلحہ سازی کے کارخانے اور فوجی ساز و سامان کے ڈپو بھی ہندوستان میں واقع تھے۔ مرکزی حکومت کے تمام دفاتر اپنی پوری کارکردگی اور نظم و ضبط کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں نباہ رہے تھے۔ ریلوے، بندرگاہ اور ڈاک و تار کے ذریعے پوری مملکت مرکزی حکومت سے منسلک تھی تقریباً تمام صنعتی و مالیاتی ادارے نہ صرف ہندوستان کی مملکت قرار دے دیئے گئے تھے بلکہ پوری پیداواری صلاحیتوں کے ساتھ ہندوستان کی تقویت کے سبب بن رہے تھے۔ نیز سٹیٹ بینک آف انڈیا موجود بھی تھا اور نظام بنکاری وزر میں اپنا فریضہ بہت خوبی سے انجام دے رہا تھا، اس تقابلی جائزے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ یہ ایک

مقطوع اور کرم خوردہ پاکستان تھا جو کم و بیش اس امید میں مسلمانوں کے منہ پر مار دیا گیا تھا کہ یا تو وہ اسے مسترد کر دیں گے یا اسے قبول کرنے کے بعد اسے زندہ رکھنا غیر ممکن پائیں گے، مگر ایک آزاد و خود مختار مملکت کا حصول مسلمانوں کی اس قدر شدید آرزو تھی کہ انہوں نے اس دعوتِ مقابلہ کو منظور کر لیا اور اپنے مخالفین کے خبثِ باطن کے باوجود ملک کو بحرانوں سے نکال کر شاہراہ ترقی پر گامزن کر دیا۔

تقسیم کے نتیجے میں مذکورہ بالا مسائل سے ہٹ کر ایک سنگین تر مسئلہ گورنر جنرل سے متعلق اُبھر کر سامنے آیا جو تقسیم میں ریڈ کلف کی جانبداری اور اس کے نتیجے میں لاکھوں انسانوں کی ہجرت اور اس سے متعلقہ مسائل سے بھی زیادہ توجہ طلب مسئلہ بن گیا، بلکہ یوں کہئے کہ یہ مسئلہ ہندوستان کے معاندانہ رویئے سے بھی زیادہ سنگین، اثاثہ جات کی ادائیگی میں تاخیر سے بھی زیادہ گھمبیر اور افواج سے متعلق فیصلوں سے بھی زیادہ سنگین نتائج کا سبب بننے والا فیصلہ بن گیا، یہ قائداعظم کے فہم و فراست اور عقل و تدبر کا امتحان بھی تھا اور ان کے عزم صمیم اور اپنی ذات پر اعتماد کی کسوٹی بھی۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ اپنی علالت کے باعث کسی قسم کے اُلجھاؤ اور تقسیم میں تاخیر کو ہر ممکن طریقے سے حل کرنے کے خواہش مند تھے۔ یہ بات واضح تھی کہ تقسیم کے تمام امور معاملات دو ماہ کے اندر ہرگز پایہ تکمیل تک نہیں پہنچائے جاسکتے۔ لہٰذا تصفیہ طلب مسائل کو حل کرنے کا کچھ نہ کچھ اہتمام ناگزیر ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس کا یہ حل پیش کیا کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد آٹھ نو مہینے تک اسے دونوں ڈومنینوں کا گورنر جنرل رہنا چاہئے، کانگریس کو یہ بات منظور کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی، نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کو لکھا ہمیں اس تجویز سے اتفاق ہے کہ عبوری دور میں دونوں ڈومنینوں کا گورنر جنرل مشترک ہونا چاہئے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمیں مسرت ہوگی، اگر آپ اس منصب پر فائز ہوں اور اپنے مشوروں اور تجربے سے ہمیں مستفید کریں۔[۷]

یہ فیصلہ نہایت غیر متوقع اور کانگریس کے تمام دعووں کے یکسر خلاف تھا، کانگریسی رہنماؤں سے بجا طور پر

توقع کی جاتی تھی کہ حصول آزادی کے بعد برطانوی سامراجیت کی کسی نشانی کو بطور حکمران قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ کانگریسی لیڈر اپنی جماعت کو ہند میں سامراجیت کی مخالفت کی واحد چیمپئین سمجھتے تھے۔ کانگریس جدوجہد آزادی کا سارا کریڈٹ خود لیتی تھی جبکہ مسلم لیگ کو رجعت پسندوں کا ٹولہ سرکار نوازوں کا جتھہ اور سرکار پرستوں کا گروہ گردانتی تھی، لیکن صورتحال بالکل الٹ ہوگئی۔ کانگریسی رہنماؤں نے بڑی گرم جوشی اور خوش دلی سے اس فیصلے کی توثیق کردی، مہاتما گاندھی کی وطن پرستی نے کوئی مزاحمت نہیں کی، نہرو کی قوم پرستی نے کوئی اعتراض نہیں کیا حتیٰ کہ سردار ولبھ بھائی پٹیل کی انگریز دشمنی اور سامراجیت سے نفرت بھی ایک خاموش تماشائی بنی رہی۔

قائداعظم اس وقت تک ماؤنٹ بیٹن پر بے اعتمادی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کی خواہش تھی کہ ۱۵، اگست کے بعد وہ بالاتر گورنر جنرل کی حیثیت سے اپنا کام جاری رکھے اس کا تقرر برطانوی تاج کی طرف سے عمل میں لایا جائے اور اسے دونوں ڈومنیتوں کے داعووں کو طے کرنے کے لئے ثالث کے اختیارات حاصل ہوں۔ صرف اسی طرح اثاثہ جات اور واجبات کی تقسیم منصفانہ طور پر ہو سکے گی، لیکن کانگریس ہرگز یہ نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ پاکستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع نہ دیا جائے، حکومت برطانیہ نے جب ہند میں اپنے اقتدار کو ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا تو پھر وہ بے تاب تھی کہ ۱۵ اگست کے بعد ہند کے معاملات میں اس کی کوئی ذمہ داری باقی نہ رہے، قائداعظم آخری مرحلے تک اپنی تجویز پر زور دیتے رہے لیکن ان کی تجویز نہ کانگریس کے لئے قابل قبول تھی اور نہ حکومت برطانیہ کے لئے اس طرح صرف مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز ہی باقی رہ گئی اور اسے قانون آزادی ہند میں شامل کردیا گیا۔

قائداعظم افتادطبع اور زندگی بھر کی تربیت کے باعث آئین پسند مزاج رکھتے تھے، ان کے لئے یہ بات نا قابل فہم تھی کہ جس آئینی گورنر جنرل کو ڈومنین کی وزارتوں کی طرف سے ایک ہی مسئلہ پر متضاد مشورہ دیا جا رہا ہو وہ

معاملات کیسے حل کر سکے گا ، چنانچہ دو ایسی آزاد حکومتوں کا مشترکہ گورنر جنرل جن کے مفادات ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے ، انہیں ایک لغویت معلوم ہوتی تھی ۔ ایک مشترکہ گورنر جنرل کے خلاف آئینی استدلال اگرچہ بہت وزنی تھا، لیکن اس سے بھی زیادہ وزنی ایک سیاسی پہلو بھی تھا، جو زیادہ غور طلب تھا۔ کانگریس کی انتہائی موثر پروپگینڈا مشینری اس بات پر اپنا سارا زور لگا رہی تھی کہ پاکستان ہند سے چند علاقوں کی عارضی علیحدگی کے سوا کچھ بھی نہیں اور جلد ہی پاکستان کو باقی ہند میں ضم کر لیا جائے گا[۸]۔ اس پیش منظر میں ہندوستان اور پاکستان کا گورنر جنرل اگر مشترک ہوگا تو وہ لامحالہ زیادہ وقت ہندوستان میں گزارے گا۔ اس سے یقیناً نہ صرف ہندوستان اور پاکستان میں بلکہ دنیا بھر میں اس تاثر کو تقویت پہنچے گی جو کانگریس پھیلا رہی ہے۔ پاکستان کے لوگ یہ سوال کریں گے کہ یہ کس قسم کی آزادی ہے جب ہندوستان کا گورنر جنرل ہمارا بھی گورنر جنرل ہے اور انگلستان کا بادشاہ ہمارا بھی بادشاہ ہے۔ اس تاثر کو اس وقت اور بھی زیادہ تقویت پہنچے گی جب وہ یہ دیکھیں گے کہ پاکستان میں چار میں سے تین انگریز گورنر ہیں۔ ان کے علاوہ کثیر تعداد میں سول اور فوجی ملازمت میں بھی انگریز افسر ہیں۔

پاکستان کا جداگانہ تشخص کے لئے یہ امر لازمی تھا کہ دنیا کے سامنے اس کا وجود ایک آزاد و خود مختار مملکت کی حیثیت سے اُبھرے، ایک ایسا ملک جس کی معاشرتی، معاشی اور جغرافیائی آزادی کے ساتھ ساتھ سیاسی آزادی بھی نمایاں ہو۔ اس لئے ہندوستان اور پاکستان کی علیحدگی کا عمل اتنا واضح ہونا چاہئے کہ ہر ایک کو دکھائی دے، چنانچہ یہ فیصلہ ناگزیر تھا کہ قائداعظمؒ خود پاکستان کے گورنر جنرل بن جائیں۔ اس طرح وہ پاکستان کی آزادی و خود مختاری کا زندہ مظہر ہوں گے۔ ان کی بلند و بالا شخصیت کے مقابلے میں تمام دوسری باتیں دب کر رہ جائیں گی اور انگریز گورنر اور سول اور فوجی افسر اُن کے سائے تلے ہوں گے۔[۹]

قائداعظمؒ کے اس فیصلے کو ماؤنٹ بیٹن نے خوش دلی سے قبول نہ کیا[۱۰]۔ اور ہر اس ذریعے کو بروئے کار لایا

جو قائداعظمؒ پر اثر ڈال کر اس فیصلے کو تبدیل کرنے کا موجب بن سکتا تھا۔ کیونکہ وہ تاریخ ہند میں اس بلند مقام پر سرفراز ہونا چاہتا تھا جو بلاشبہ منفرد اور یگانہ روزگار تھا کہ اس فیصلے سے صدیوں سے برسر پیکار اور ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے والی دونوں قوموں کے لئے وہ اعتماد کا پیکر بن جاتا، وہ یہ بھی مقام حاصل کرنا چاہتا تھا کہ اس کی فہم وفراست ہی وہ قوت تھی جس نے عہد طفولیت میں دونوں مملکتوں کو وہ توانائی بخشی جس نے ان کو بحرانی دور میں تقویت عطا کی۔ بہر حال قائداعظمؒ کا یہ فیصلہ پاکستان کے لئے ناگزیر تھا، لیکن ماؤنٹ بیٹن کے لئے نہایت کٹھن تھا، بات صرف مستقل کی ہی نہ تھی بلکہ وہ مختلف ذرائع سے حکومت برطانیہ کو بھی یقین دہانی کرا چکا تھا کہ دونوں مملکتوں کے ذمہ داران اس سے یہ درخواست کریں گے کہ وہ مشترکہ گورنر جنرل بن جائے" لیکن قائداعظم کے اس فیصلے سے نہ صرف اس کی خواہشات نامکمل رہ گئیں بلکہ حکومت برطانیہ کی نظر میں اس کا وقار ختم ہوا اور اس کے مخالفین کے سامنے تضحیک وتوہین ہوئی۔

اس فیصلے پر نظر ثانی کے لئے ماؤنٹ بیٹن نے وائسرائے ہاؤس کے ایک کمرے میں جہاں چوہدری محمد علی اور لیاقت علی خان قائداعظمؒ کے ہمراہ قانون آزادی ہند پر غور کر رہے تھے۔ قائداعظم سے ملاقات کی اور ان کو ہر ممکن طریقے سے مشترکہ گورنر جنرل کے فیصلے پر قائل کرنے کی کوشش کی۔ اس کا نقطہ نگاہ یہ تھا کہ بلندترین مقاصد کا حصول ہی مشترکہ گورنر جنرل کے نظریے کا سبب ہے، نیز پاکستان کا بہترین مفاد اسی فیصلے میں ہی پنہاں ہے اور اگر یہ نظریہ عملی شکل اختیار نہ کرسکا تو پاکستان بہت زیادہ گھاٹے میں رہے گا، کیونکہ وہ پاکستان کے مفادات کے حصول میں سخت مشکلات محسوس کرتا ہے اور اگر متعلقین کو اس امر کا پتہ چل گیا کہ وہ مشترکہ گورنر جنرل نہیں بن رہا تو وہ پاکستان کی مدد کرنے میں اتنا بااثر نہیں رہے گا۔ اس طرح پاکستان کو جو بے پایاں نقصان پہنچے گا۔ اس کی ذمہ داری جناح پر ہوگی۔ اس نے یہ دھمکی بھی دی کہ وہ سب کچھ منظر عام پر لے آئے گا اور فیصلہ دنیا پر چھوڑ دے گا، اس کا کہنا یہ تھا کہ اس کو تعجب

اس امر پر ہے کہ اس کے مشترکہ گورنر جنرل بننے پر اعتراض پاکستان کو ہے جبکہ کانگریس اس فیصلے کو خوش دلی سے تسلیم کر رہی ہے[۱۲]، قائداعظم نے بڑے تحمل اور بردباری سے جواباً کہا کہ مسلم لیگ کا یہ فیصلہ کہ قائداعظم محمد علی جناح ہی گورنر جنرل بنیں محض اور محض پاکستان کے مفادات کے تحت کیا گیا ہے، انہوں نے اس کو یہ بھی یقین دلایا کہ وہ اس کے (ماؤنٹ بیٹن) اخلاص اور غیر جانبداری پر اعتماد کرتے ہیں۔

قائداعظمؒ کی طرف سے اظہار اعتماد کے باوجود بھی اس کی تسلی و تشفی نہ ہو سکی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس فیصلے کو اپنی بے عزتی سمجھتا تھا، جن لوگوں کو اسے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے وہ اس بات سے یقیناً اتفاق کریں گے کہ وہ بہت زیادہ حساس خود پسندی کا شکار تھا۔ مرفی کی سوانح عمری سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے مشترکہ گورنر جنرل نہ بننے کو اس نے اپنی عزت و وقار کا مسئلہ قرار دیا، اس میں ناکامی کی چوٹ اس کے کمزور ترین پہلو تکبر پر پڑی[۱۳]۔ اس کی انا مجروح ہوئی اور تاریخ میں بلند تر مقام حاصل کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کی یہ دھمکی کہ آپ کو بہت کچھ نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ ایک دھمکی ہی نہیں رہی، اس نے اپنے دائرہ اختیار کو پاکستان کے خلاف استعمال کیا، اس نے مشترکہ دفاع کونسل کو برخاست کر دیا۔ محنتی پیشہ ور اور ایماندار فیلڈ مارشل آکنلک کو علیحدہ کر دیا تاکہ پاکستان ہندوستانی جارحیت کا مقابلہ ہی نہ کر سکے۔ یہیں پر بس نہ کیا تقسیم کمیٹی کو توڑ دیا تاکہ پاکستان نقد اور اثاثہ جات میں اپنا حصہ نہ لے سکے اس نے مہاراجہ کشمیر کی بے جا دستاویز کو قبول کر لیا تاکہ کشمیر میں ہندوستانی افواج کو بھیجنے کا جواز مل سکے۔ ماؤنٹ بیٹن اس امر سے آگاہ تھا کہ ہندوستان نوازی کی یہ پالیسیاں اس کی شخصیت کے منافی ہی نہیں بلکہ اس کے خاندانی پس منظر اور برطانوی قول کے شایان شان بھی نہیں ہیں، مگر پھر بھی وہ اپنی پالیسیوں پر گامزن رہا۔ کیونکہ مشترکہ گورنر جنرل کے اعزاز و اکرام کی ناکامی کا ذمہ دار اس نے جناح کو سمجھا۔ چنانچہ وہ پاکستان اور جناح کے لئے مجسم مزاج بن گیا اور اس نے ہر ممکن

طریقے سے پاکستان کے مفادات کونقصان پہنچانے کی کوشش کی۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف پاکستان اور قائداعظم کا ہی مخالف نہ تھا بلکہ درحقیقت مسلمانوں کا دشمن تھا، پاکستان کا تو وہ مخالف اس لئے ہوگیا کہ وہ مشترکہ گورنر جنرل نہ بن سکا۔سوال یہ ہے کہ اُس نے حیدرآباد کے ساتھ معاہدے کو بدترین بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سردار پٹیل کے کہنے پر کیوں تبدیل کیا جبکہ نواب حیدرآباد میر عثمان ماؤنٹ بیٹن کے نہایت وفادار وقریبی سمجھے جاتے تھے۔حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلم تو وہ تھا ہی کانگریسی رہنماؤں کی قربت اور ہندو مشیروں کے اثرات نے کریلا نیم چڑھا والی کیفیت پیدا کردی تھی اس ذہنیت کے حامل شخص کو پاکستان کو گورنر جنرل بنانا یقیناً ایسے نقصان کا موجب بنتا جس کا ازالہ ناممکن تھا بلکہ یہ فیصلہ اکھنڈ بھارت کا ہی سبب بن جاتا چنانچہ قائد اعظم پاکستان کا نقصان بلکہ بہت سا نقصان برداشت کرسکتے تھے لیکن پاکستان کے تشخص کی حفاظت اور اس کی سالمیت کو یقینی بنانا سب سے اہم تھا اور انہوں نے یہ حاصل کرلیا۔

حوالہ جات

۱۔ ایس۔ایم۔حق، The Revolution of 1857، کراچی،۱۹۵۸ء، مزید دیکھئے، غلام رسول مہر، ۱۸۵۷ء، لاہور، ۱۹۵۸ء۔

۲۔ جی۔ایف۔آئی۔گراھم، The life & Work of Sir Syed Ahmed Khan، لندن، طبع اول۔

۳۔ ہاڈسن۔ایچ۔وی، The Great Divide Britain, India, Pakistan، کراچی، ۱۹۷۹ء۔

۴۔ لارڈ برڈ ووڈ، Two Nations & Kashmir، لندن، ۱۹۵۶ء، ص ص ۷۰۔۸۰ اور چوہدری محمد علی، The emergence of Pakistan، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ص ۲۰۳۔۲۲۱۔

۵۔ وی۔پی۔مینن، The Transfer of Power in India، کلکتہ، ۱۹۵۶ء، ص ۳۸۶۔

۶۔ ظہور الٰہی، سرحد میں مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی ملٹر بیرء، بہاول پور، ۱۹۷۵ء، (آزادی نمبر)۔

ص ص ۴۳۶ ۔ ۴۴۰ ۔

۷ ۔ وی ۔ پی مینن، بحوالہ سابقہ، ص ۳۸۴ ۔

۸ ۔ لیونارڈ موسلے، The last days of British Raj، لندن، ۱۹۶۱ء، ص ۱۵۱ ۔

۹ ۔ وی ۔ پی مینن، بحوالہ سابقہ، ص ۳۸۴ ۔

۱۰ ۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہر حالت میں دونوں مملکتوں کا گورنر جنرل بننا چاہتا تھا لیکن غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ قائداعظم از خود اس ذمہ داری کو سنبھالیں ۔ Memoirs، چوہدری محمد علی، بحوالہ سابقہ، ص ص ۲۲۵۲ ۔ ۲۲۵۵ اور لارڈ موسلے، Memoirs، لندن، ۱۹۶۰ء، ص ص ۴۲۸ ۔ ۴۳۰، وا ین سٹیفن Pakistan، لندن، ۱۶۶۳ء، ص ص ۱۷۵ ۔ ۱۷۷ ۔

۱۱ ۔ اشتیاق حسین قریشی، بحوالہ سابقہ، ص ۲۵۳، چوہدری محمد علی، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۶ ۔

۱۲ ۔ *ایضاً*، ص ۱۷۷ ۔

۱۳ ۔ *ایضاً* ۔

۱۴ ۔ این سٹیفن، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۶ ۔